بیسویں صدی عیسوی میں تحریکِ اسلامی کے اہداف ونتائج: ایک تجزیاتی مطالعہ

Targets Of The Islamic Movement In The Twentieth Century ce: An Analytical Study

عطاءالرحمٰن عارف (ریسرچ اسکالر، کلیہ معارفِ اسلامی، جامعہ کراچی)

محمد افتخار احمد (ویزٹینگ فیکلٹی ممبر، انسٹیٹیوٹ آف بزنس مینجمنٹ، کراچی)

ABSTRACT

After new Government in July 2018 in Pakistan term Riyasat e Madina has been surrounded without knowing its spirit. However, it is required to know that this slogan in not new and this dream is much old by revolutionists. Five different revolutionary parties work being examined and depicted that different path is being used by different parties with same slogan. But two parties in sub content chosen path of Muhammad SAW. One of them is already successful named MUJADDAD ALF SANI and another one is still on the way to choose Path of Muhammad SAW, named Dr. ISRAR AHMED. Main target for success is to choose Self-purification, contact with ancestors, target is eternal life and always give importance to internal purification instead of provocation.

Keywords: Riyasat e Madina, Islamic society, Islamic republication society.

ریاست مدینہ: ایک نعرہ، خواب، خواہش یا مقصد

پاکستان میں نئی حکومت کے آتے ہی ریاست مدینہ کا ذکر ہوا تو ایک غلغلہ شروع ہو گیا۔ تمام ہی ملک سے سیاسی مخالفین اور عوام الناس نے الیکٹرانک میڈیا، اخبارات اور سوشل میڈیا پر انفرادی زندگی کے معاملات پر گفتگو شروع کر دی ہے۔ دورِ خلفائے راشدین کے واقعات سے موجودہ لیڈران کا تقابل شروع ہو گیا لیکن یہ بات ذہن میں نہیں رہی کہ نظامِ خلافت قائم کرنے سے قبل اللہ کے رسول ﷺ نے تیرہ برس انفرادی محنت کی تھی جس کے بعد یثرب کی طرف ہجرت کا حکم ہوا اور ریاست مدینہ کا آغاز ہوا۔ لیکن سورہ مائدہ کی آیت مبارکہ (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جس ریاست مدینہ کا قیام کیا تھا اور ان کا جو مقصد بعثت قرآن نے بیان کیا ہے اس کی تکمیل آپ ﷺ کے دست مبارک سے سرزمینِ حجاز کی حد غزوہ تبوک کے وقت ہو چکی تھی۔ ان کے بعد ان کے نائبین نے آئندہ ۳۰ سالوں میں آدھی دنیا تک یہ نظام پہنچا دیا جس کے بعد آہستہ آہستہ یہ نظام ملوکیت سے ہوتا ہوا جمہوریت کی صورت اختیار کر گیا۔ اہم ترین بات اور ہمارے ایمان کے حصہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس بات کی خبر دے کر گئے ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

قال رسول الله ﷺ: تكون النبوة فيكم ما شاء الله أن تكون، ثم يرفعها الله إذا شاء أن يرفعها، ثم تكون خلافة على منهاج النبوة فتكون ما شاء الله أن تكون، ثم يرفعها الله إذا شاء أن يرفعها، ثم

تكون ملكًا عاضًا فيكون ما شاء الله أن يكون، ثم يرفعها إذا شاء الله أن يرفعها، ثم تكون ملكًا جبرية فتكون ما شاء الله أن تكون، ثم يرفعها الله إذا شاء أن يرفعها، ثم تكون خلافة على منهاج النبوة، ثم سكت۔[1]

"تمہارے اندر عہد نبوت جب تک اللہ چاہے گا موجود رہے گا۔ پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اس (عہد نبوت) کو ختم کردے گا۔ (اس کے بعد) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی، جو قائم رہے گی، جب تک اللہ (اسے قائم) رکھنا چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کردے گا۔ پھر (اس کی جگہ) کاٹ کھانے والی بادشاہت قائم ہو جائے گی، جو جب تک اللہ چاہے گا برقرار رہے گی۔ پھر جب اسے بھی اللہ ختم کرنا چاہے تو ختم کردے گا۔ پھر جابرانہ ملوکیت کا دور ہو گا، جو جب تک اللہ چاہے گا باقی رہے گا۔ پھر اللہ جب اسے بھی ختم کرنا چاہے گا ختم کردے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (دوبارہ) قائم ہو جائے گی۔ پھر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کرلی۔"

یہ خبر جو الصادق والمصدوق نے دی ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ رسولوں کا یہ مشن پایہ تکمیل تک پہنچے گا۔ دنیا میں یہ نظام عدل و قسط نافذ ہو کر رہے گا۔ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے مستقبل میں یہ نظام خلافت پوری دنیا پر قائم ہونا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں اس بات کا یقین بھی ہے اور فرض بھی ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں۔ یہ خبر بھی الحمد للہ احادیث میں موجود ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ وَإِنَّ رَبِّي قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَأَنْ لَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ يَسْتَبِيحُ بَيْضَتَهُمْ وَلَوْ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا أَوْ قَالَ مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا حَتَّى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔[2]

"رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا زمین میرے لئے سمیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا اور مجھے دونوں خزانے (یا سرخ) اور سفید یعنی سونا اور چاندی دیئے گئے (روم کا سکہ سونے کا اور ایران کا چاندی کا ہوتا تھا) اور مجھے کہا گیا کہ تمہاری (اُمت کی) سلطنت وہی تک ہو گی جہاں تک تمہارے لئے زمین سمیٹی گئی اور میں نے اللہ سے تین دعائیں مانگیں اول یہ کہ میری اُمت پر قحط نہ آئے کہ جس سے اکثر اُمت ہلاک ہو جائے دوم یہ کہ میری اُمت فرقوں اور گروہوں میں نہ بٹے اور سوم یہ کہ ان کی طاقت ایک دوسرے کے خلاف استعمال نہ ہو (یعنی باہم کشت و قتال نہ کریں) مجھے ارشاد ہوا کہ جب میں (اللہ تعالی) کوئی فیصلہ کرلیتا ہوں تو کوئی اسے رد نہیں کر سکتا میں تمہاری اُمت پر ایسا قحط ہرگز مسلط نہ کروں گا جس میں سب یا (اکثر) ہلاکت کا شکار ہو جائیں اور میں تمہاری اُمت پر اطراف و اکناف ارض سے تمام دشمن اکٹھے نہ ہونے دوں گا یہاں تک کہ یہ آپس میں نہ لڑیں اور ایک دوسرے کو قتل کریں۔"

اب اگر اس بات کا تجزیہ کیا جائے تو رسول ﷺ کے اس مشن، نظام عدل کا قیام، کی تکمیل کے لیے واحد مثال رسول

اکرم ﷺ کی زندگی اور تحریک میں ملتی ہے جو تاریخ انسانی میں پیش کی جاسکتی ہے کہ جب دنیا نے یہ دیکھا کہ تکمیل انقلاب ہو گئی۔

دورِ ملوکیت میں تحریکاتِ اسلامی کے اہداف

دورِ ملوکیت اور پھر نوآبادتی نظام میں دنیا کے مختلف خطوں میں بے شمار تحریکات اٹھیں، جن میں سے دنیاوی اعتبار سے کامیابی شاید کسی کو بھی نہیں مل سکی البتہ اخروی اجر یقینی طور پر اللہ کے پاس محفوظ ہے کہ جس اخلاص نیت اور مقصد کے حصول کے لیے تمام ہی تحریکات کے داعیان نے کام کا آغاز کیا وہ رضائے الٰہی کا حصول ہی تھا۔ ہم ان میں سے پانچ احیائی تحریکات تحریک شہیدین، سنوسی تحریک، نورسی تحریک، اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ جنہوں نے نظامِ خلافت، احیائے اسلام، اسلام کا نظام حکومت اور دیگر نعروں کے ساتھ کام کا آغاز کیا۔ الغرض ان تمام تحریکات کا ہدف نشاۃ ثانیہ ہی تھا۔

تحریک شہیدین نے اس نصب العین کو "ہندوستان میں اسلامی حکومت کا احیاء" کہا، اس مقصد کیلئے انہوں نے ہندوستان کے ایک خطہ کا انتخاب کیا تاکہ اگر ایک خطہ میں یہ نظام قائم ہو جائے اسر اسی نظام کو قبولیت عامہ مل جائے پھر اس کو ہندوستان کے باقی خطوں میں پھیلانا آسان ہو جائے گا۔ سید احمد شہید خود اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم رضائے الٰہی کے آرزومند ہیں، ہم نے محض اللہ کے لیے علم جہاد بلند کیا ہے۔ سنوسی تحریک میں اس مقصد کو "احیائے خلافت" کا نام دیا گیا، وہ اس کے ذریعہ سے اتحاد بین المسلمین کے داعی تھے۔ جبکہ سعید نورسی اپنی جدوجہد کے آغاز میں انجمن اتحاد محمدی قائم کی جس کا مقصد "اسلام کی بنیاد پر خلافتِ اسلامیہ کی تشکیل نو کرنا اور وحدت اسلامی کو فروغ دینا" تھا۔ جماعت اسلامی کے اولین دور میں اس حکومت کو "حکومت الٰہیہ" کہا گیا۔ اس کے مقابلہ میں اخوان المسلمین نے اس جدوجہد کو "نظام خلافت" کا نام دیا اور وہ احیائے خلافت ہی چاہتے تھے۔

مصر، برصغیر اور ترکی، ان تینوں خطوں کے افراد کا ایک جذباتی تعلق خلافت کے ادارہ کے ساتھ موجود رہا ہے۔ اسی لئے ان تمام تحریکات میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جب ترکی میں اس خلافت کے ادارہ کے خاتمہ کا اعلان 3 مارچ 1924ء کو کیا گیا تو اس کے خلاف سب سے پہلے 25 مارچ 1924ء کو جامعہ الازہر سے ایک اعلامیہ جاری ہوا جس میں الازہر یونیورسٹی کے ریکٹر نے کہا:

"خلافت، جو امامت کے ہم معنی ہے، دینی و دنیاوی معاملات میں تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے کیونکہ یہ پوری ملت کے مفادات کی نگہداشت اور اُمت کے معاملات کو چلانے کی ضامن ہوتی ہے۔"[3]

مصری عوام نے بھی اس فیصلہ پر غم و غصہ کا اظہار کیا۔ پہلی خلافت کانفرنس بھی 1926ء میں قاہرہ میں ہوئی جس کا پس منظر یہ ہے کہ اُمتِ علماء کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ اس اہم مسئلہ پر مسلمانوں کی ایک نمائندہ اسمبلی یا کانگریس میں بحث کر کے خلیفہ کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ دوسری جانب عوامی سطح پر اگر کوئی تحریک چلی تو وہ تحریکِ خلافت ہے جو ہندوستان میں چلی اس کے باوجود کہ ان کو حکمران ہی خلافت کو ختم کرنے میں ایک بنیادی کردار رکھتے تھے۔ اسی طرح جنگ عظیم دوم کے بعد جو پہلی ورلڈ مسلم کانفرنس کا انعقاد ہوا اس کی میزبانی کا شرف پاکستان کو حاصل ہوا جو کہ فروری 1949ء ہے۔[4]

جبکہ 21ویں صدی میں کسی درجہ میں اُمہ کے لیے آواز اٹھانے کا سہرا ترکی کی موجودہ حکومت کو جاتا ہے۔اس کے علاوہ ان تحریکات کو سلاسل سے بھی نسبت ہے جس میں تزکیہ نفس کی اہمیت ہے تمام ہی بانیان تحریک کو اس بات کا احساس تھا کہ حقیقی ایمان کی منتقلی صحبت کے بغیر ممکن نہیں اور تعلق مع اللہ کے حصول کے لیے صفائی قلب نہایت ضروری ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہید نے تو اس کام کو ہمیشہ ہمیشہ جاری رہنے کی خاطر بیان و تقاریر سے آگے بڑھ کر ایک کتاب ''تقویۃ الایمان'' بھی تحریر کی۔اس کے دیباچہ میں وہ ایک علیحدہ مضمون باندھتے ہیں جس میں انبیاء کا مقصد بعثت توحید کا خصوصیت سے تذکرہ کرتے ہیں۔اسی دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں:

''بندگی کا دارومدار ایمان کی اصلاح پر ہے۔اس کی بندگی غیر مقبول ہے جس کے ایمان میں خلل ہے اور جس کا ایمان درست ہے اس کی تھوڑی سی بندگی بھی قابل قدر ہے لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ایمان کو درست رکھنے کی کوشش کرے اور اصلاح ایمان کو تمام چیزوں پر مقدم رکھے۔''[5]

ان اہداف کے حصول کے لئے اپنے رفقاء وکارکنان کی تربیت کے حوالہ سے ان تمام تحریکات کا طریقہ کار اور مرکز نگاہ رفقاء و کارکنان کا تعلق مع اللہ، کارکنان کی اخلاقی اور فکری تربیت کے ساتھ تزکیہ نفس کو اہمیت حاصل ہے۔ تحریک شہیدین نے رفقاء سے جو بیعت لی اس میں بنیادی طور پر یہ بیان کیا:

''امام کی مکمل اطاعت اور احکام و قانون شریعت کی پوری پابندی کرنی ہوگی۔ تمام رسوم جاہلیت اور امور غیر مشروع، مخالف شریعت، رواج و دستور یک قلم چھوڑنے پڑیں گے۔''[6]

جبکہ جماعت اسلامی کے نظام دعوت میں دو میدان قابل ذکر ہیں۔ سید مودودی نے جماعت کے قیام سے قبل اپنی تحریروں کے ذریعہ دعوت کے کام کا آغاز کیا۔ اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان صلاحیتوں میں کمی واقع ہوئی لیکن اب بھی تحریر و تقریر دونوں ہی شعبوں میں جماعت کی دعوت کا موثر ذریعہ ہے۔ سید مودودی کے دور کے بارے میں صفہ ماڈل سکول کی نگراں محترمہ فرزانہ چیمہ کہتی ہیں:

''مولانا مودودی کا کارنامہ ہمہ پہلو، ہمہ جہت اور جامع ہے۔ آپ کا اصلی کام فکری رہنمائی اور قلم و قرطاس کا صحیح استعمال ہے۔ جہاد قلم، زبان اور سیف سبھی سے کیا جاتا ہے۔ دیرپا اثرات قلمی جہاد ہی کے ہوتے ہیں، جو سید مودودی کی اصل پہچان ہے۔''[7]

تحریکات کی جدوجہد کے نتائج

اگر ہم نتائج کا جائزہ لیں تو اخروی اعتبار سے تو یقیناً تمام ہی تحریکات کے افراد کا یہ معاملہ ہے کہ ان کا اخروی اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقرآن وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔[8]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے۔ تو تم لوگ اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔''

البتہ دنیاوی اعتبار سے دیکھیں تو تحریک شہیدین کو ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ تمام قائدین اور مجاہدین کو ملا کر 137 مجاہدین شہید ہو گئے۔ اسلامی حکومت کا احیاء اور انگریز کو بے دخل کر دینے کا خواب بھی پورا نہ ہو سکا اور کچھ عرصہ کے بعد پورے ہندوستان پر برطانیہ کی براہ راست حکومت کا آغاز ہوا۔ یقینی طور پر اس میں کچھ دخل حکمت عملی اختیار کرنے کا بھی ہے لیکن قائدین کے اخلاص اور ان کے جذبہ عمل کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ یہ ضرور ہوا کہ اس طرح آئندہ سالوں میں احیائے خلافت اور اسلام کے احیاء کے لیے اٹھنے والی تحریکات کے لیے کچھ راہنما اصول مل گئے۔

سنوسی تحریک کو بھی عملی میدان میں ابتدائی کامیابیاں ضرور ملیں۔ لیبیا کی آزادی کے بعد محمد ادریس بن محمد المہدی اگرچہ پہلے بادشاہ بنے لیکن وہ عمر مختار یا سید احمد الشریف کے طرح تحریک کے اتنے قریب نہ تھے کہ سنوسی العظیم کے کام کو آگے بڑھا سکتے۔ البتہ ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کا کارنامہ انجام دینے والے افراد کو مغرب کی آشیر باد حاصل تھی۔ دوسری طرف دنیاوی اعتبار سے ہم آج کہہ سکتے ہیں کہ اس تحریک کے زعماء جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو تیل کی دریافت کے بعد جن ممالک کے افراد دنیاوی اعتبار سے اعتدال کی روش پر ہیں وہ صرف لیبیا ہی ہے۔ دیگر تمام عرب اور افریقی ممالک میں تیل کی دولت نے ان کی ذاتی زندگی اور دولت کے ریل پیل میں بے تحاشا اضافہ کر دیا۔

نورسی تحریک کو بھی کامیابی اس طرح تو حاصل نہ ہو سکی جو سعید نورسی کا مطمع نظر تھا۔ اگرچہ وہ خود تمام عمر قید وبند میں گزار کے اس دنیا سے تنہا رخصت ہوئے لیکن انہوں نے ایک ایسی تحریک کی بنیاد رکھی جو ان کے انتقال کے 50 سال بعد جزوی طور پر کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ گذشتہ 9 سال کی جدوجہد میں جو افراد بھی ترکی میں کام کر رہے ہیں اب وہ خلافت کی تشکیل نو اور ترکی کو عالم اسلام کے ایک رہنما کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس کام میں ان کا طریقہ کار نہایت سست روی سے آگے بڑھ رہا ہے لیکن تمام ہی معاصر تحریکات کے مقابلہ میں یہ موثر محسوس ہو رہا ہے بالخصوص جن قوتوں سے ان کا مقابلہ ہے وہ زیادہ زورآور، منظم اور مربوط ہیں۔ اس کے باوجود نورسی تحریک کے متتبعین ان کی فکر کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

اگر ہم جماعتِ اسلامی کی جدوجہد کا جائزہ لیں تو یہاں معاملہ جزوی طور پر کامیابی کا ہے جس کو ہم دنیاوی کامیابی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ کامیابی اس نصب العین کا حصہ نہیں ہے جو آغاز سفر میں طے کیا گیا تھا یعنی انسانی زندگی کے پورے نظام کو اس کے تمام شُعبوں فکر و نظر، عقیدہ وخیال، مذہب واخلاق، سیرت و کردار، تعلیم وتربیت، تہذیب و ثقافت، تمدّن و معاشرت، معیشت وسیاست،

قانون وعدالت، صلح و جنگ، اور بین الاقوامی تعلّقات سمیت خُدا کی بندگی اور انبیاءؑ کی ہدایت پر قائم کیا جائے۔[9]

ہم جس کامیابی کو معیار بنارہے ہیں وہ ہے انتخابی میدان میں کامیابی جو 1970ء کے انتخابات میں چار نشستیں یا پھر متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم سے سرحد (خیبر پختونخواہ) کی صوبائی حکومت ہے۔ لیکن اگر ہم جائزہ لیں کہ احیائی تحریکات میں کس جماعت یا تنظیم کے حصہ میں کیا عزت آئی ہے تو اس معیار پر جماعت تمام احیائی تحریکات میں سب سے آخر میں نظر آتی ہے لیکن اگر بانی جماعت کی عزت، ان کی تحریروں سے رہنمائی، دیگر احیائی تحریکات کے لیے لٹریچر کی فراہمی، رفاہ عامہ کے کاموں میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر احیائی تحریکات کی مدد کی بات ہو تو جماعت اسلامی کی فعالیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اسی لیے اس کو راقم جزوی کامیابی گردانتا ہے۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی افراد جماعت اسلامی کے کئے گئے کام کو سراہتے ہیں لیکن اس کے نتیجہ میں عوام الناس سیاسی یا اخلاقی طور پر جماعت اسلای کے قریب نہیں آتے۔ وہ جماعت اسلامی کو ان ہی شعبوں (رفاہ عامہ) میں کام کرنے کا اہل سمجھتے ہیں۔ ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کے کام کے قابل نہیں سمجھتے۔

اخوان المسلمین کو جزوی طور پر ضرور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس کی کامیابیوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ سب سے اہم محاذ فلسطین پر ہونے والی محنت اور جدوجہد ہے جس کی داستان کا ہم باب پنجم میں جائزہ لے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ سماجی خدمات، رفاہ عامہ کے کاموں اور بالخصوص اقتصادی میدان میں انکی کامیابیوں نے ایک نئی تاریخ رقم کی جس کی مثال دیگر احیائی تحریکات میں نہیں ملتی۔ یہ بھی اخوان کا کارنامہ ہے کہ ان تمام شعبہ جات میں یکبارگی کام کرنے کے باوجود ان کی دعوتی اور فکری و نظریاتی سطح پر رفقاء کی تربیت کے معیار میں کوئی کمی نہ آئی۔

بعد ازاں ایسا بھی ہوا کہ اخوان اپنی جدوجہد کے دوران مصر کی حکومت کی ذمہ داری تک پہنچ گئے۔ اگرچہ یہاں وہی داستان دہرائی گئی جو اس سے قبل الجزائر میں پیش آچکی تھی لیکن اخوان کے عزم و حوصلہ میں کوئی کمی نہ آسکی۔ اگرچہ نظام خلافت کے احیاء کی جدوجہد میں اخوان کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی لیکن دیگر شعبہ جات میں ترقی کے باعث مصری اور عرب عوام سے ان کا رابطہ بڑھتا گیا اور جب جب موقع ملا انتخابی میدان میں اخوان کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اس بات کا امکان ہے کہ آئندہ کچھ سالوں میں ترکی کے طیب اردگان کی طرح اخوان بھی مصر میں کامیابی حاصل کرلیں لیکن فی الحال ہم ان کی کاوشوں جزوی کامیابی ہی کہہ سکتے ہیں۔

طریقہ کار یا منہج

اگرچہ تمام تحریکات کا مقصد و نصب العین ایک ہی تھا لیکن ان تحریکات نے مختلف انداز میں کام کا آغاز کیا اور مختلف طریقے اختیار کئے۔ تحریک شہیدین نے عسکری منہج اختیار کیا۔ وہ تمام افراد جو دعوت کی بنیاد پر ان کے قریب آئے ان کو منظم کرکے ایک اجتماعیت میں جمع کیا اور پھر ہجرت کا اعلان کیا۔ اس سے قبل انہوں نے تربیت کے حوالہ سے عقائد کی اصلاح، مقصد کو واضح کرنا، تزکیہ نفس کی تلقین و مشقیں، بدعات کا ابطال، بے جا رسومات کی نکیر بھی کی اور رفقاء کار کی عسکری تربیت بھی کی۔

سنوسی تحریک نے اپنا منہج انتظامی امور، خدمت اور عسکریت پر مبنی ایک مجموعی طور پر موثر نظام کو رکھا۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ کس طرح انہوں نے زاویہ قائم کر کے صحرا پر اپنی عملداری قائم کی اور بالآخر تمام قبائل کو اپنے منظم ہونے کا ثبوت دیا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے عسکری تربیت کو اپنے رفقاء کے لیے لازم رکھا لیکن یہ بات بہت اہم ہے کہ 1843ء میں آغاز کرنے والی تحریک جس کے رفقاء 1850ء کے زمانہ سے عسکری تربیت حاصل کر رہے تھے اور ایک معرکہ کے لیے تیار تھے ان کا پہلا معرکہ 1911ء میں قابض افواج کے ساتھ ہوا۔ یہ بھی ہوا کہ بہت سے ان کے ساتھی کسی معرکہ میں داد شجاعت نہ دکھا سکے اور زندگی نے ان کے ساتھ وفا نہ کی لیکن وہ اس حدیث کی عملی تصویر بن کر کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ۔[10]

”جس کی موت واقع ہوگئی اور اس نے جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں اس کی تمنا ہوئی تو وہ نفاق کے شعبہ پر مرا۔“

نورسی تحریک کا منہج آغاز میں یقیناً عسکری تھا لیکن یہ بعد میں خدمت کے منہج میں تبدیل ہوگیا۔ سعید نورسی نے رسائل نور کے ذریعہ جو تربیت کی تھی اس سے ان کے کارکنان کی نظری، روحانی اور عملی تربیت ہوئی۔ بعد ازاں جب کمالی استبداد کے باعث طویل جدوجہد اختیار کرنا پڑی۔ عدنان مندریس کے حکومت کے خاتمہ کے بعد نجم الدین اربکان نے محسوس کیا کہ اب منہج کو تبدیل کیا جانا چاہیے۔ لہذا انہوں نے تعلیمی اور خدمت کے منہج کو اختیار کر کے طویل راستہ سے جدوجہد کا آغاز کیا جس کے نتائج 20 سال بعد ظاہر ہونا شروع ہوئے۔

جماعت اسلامی نے اپنا منہج پہلے 9 سال تک انقلابی رکھا اور پاکستان بننے کے کچھ عرصہ (قرارداد مقاصد کی کامیابی) بعد اس میں تبدیلیاں آگئیں۔ لیکن اب ہم جماعت کے منہج کو انتخابی مانیں گے کیونکہ مہمات چلانے کے لیے وقت کا تعین، مہمات کا موضوع، شوریٰ کا ایجنڈا، امیر جماعت کے دورے اور دیگر جماعتوں سے تعاون واتحاد الغرض تمام امور میں جماعت اسلامی کا فیصلہ انتخابی ہوتا ہے۔ اب جماعت اسلامی حکومات الٰہیہ کی جدوجہد سے تائب ہو کر حکومت کے حصول میں سرگرداں ہے۔ اسی دور میں امام خمینی نے بھی جلاوطنی کے ماحول میں بادشاہت کے خلاف ایک تحریک کی بنیاد رکھی اگر اس کا تقابل کیا جائے تو کامیابی نظر آتی ہے جبکہ انتخابی منہج کے بجائے احتجاجی منہج اختیار کیا گیا تھا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علی رضا لکھتے ہیں:

”مولانا مودودی اور خمینی کے اختیار کردہ راستوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ مولانا کے خیال میں اسلام اور غیر اسلام کے مابین برپا کشمکش بالآخر اسلامی انقلاب اور اسلامی ریاست کے قیام پر منتج ہوگی اور پھر اس کے نتیجے میں معاشرہ میں بڑے پیمانے پر اصلاحات ہونگی۔ اصلاحات کے بعد تمام نقائص سے پاک مثالی اسلامی نظام معرض وجود میں آجائے گا۔ آیت اللہ خمینی کے برعکس مولانا مودودی نے اقتدار تک پہنچنے کے فوری راستوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی بلکہ اسلامی ریاست کی تشکیل کے بنیادی کاموں کو پہلے مکمل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے رہے تاکہ پختہ بنیادوں اور پختہ دیواروں پر تعمیر شدہ عمارت صدیوں کام دے سکے۔“[11]

اخوان المسلمین نے انقلابی منہج اختیار کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء کو اسلاف سے جوڑ کے رکھا، تعلیمی، تحقیقی، ثقافتی اور اقتصادی میدان کے ساتھ ساتھ میدان جہاد میں بھی جوہر دکھائے۔ اسی بنا پر ہم اخوان کے منہج کو انقلابی مانتے ہیں کہ انہوں نے مختلف شعبہ جات میں بیک وقت کام کیا جس کا فائدہ انہوں نے حکومت بناتے وقت حاصل کیا۔ اگرچہ انہیں دائمی طور پر کامیابی نہ مل سکی لیکن منہج اور نصب العین پر برقرار رہے۔

پاکستان میں ریاستِ مدینہ کا خواب اور اس کی تعبیر

اب پاکستان میں ریاست مدینہ کا خواب دیکھا جا رہا ہے۔ اگر ہم غور کریں کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کے باعث مذکورہ بالا تحریکات اپنا اثر چھوڑنے اور دنیاوی اعتبار سے ایک اسلامی مملکت کے قیام یا احیائے خلافت میں ناکام رہیں۔ تو درج ذیل عوامل سامنے آتے ہیں جن کے باعث ان تحاریک کو اپنے مقاصد میں کماحقہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ وہ عوامل حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ بانی کے زمانہ حیات میں یا ان کے رخصت ہو جانے کے بعد طے کردہ طریقہ کار میں بنیادی تبدیلی اختیار کرنا۔

۲۔ تربیتی پہلو میں دین کے بنیادی ماخذ یعنی قرآن مجید اور حدیث کو بنیادی عنصر سے پہلو تہی کرنا۔

۳۔ کارکنان کا تعلق مع اللہ اور تزکیہ نفس (باطنی صفائی) سے اعراض کرنا۔

۴۔ کارکنان کا اسلاف سے تعلق کمزور رہنا، بالخصوص اولاً انقلابی تحریک یعنی تحریک محمدی ﷺ کو پیش نظر نہ رکھنا۔

۵۔ ذمہ داران کا تعین کرتے ہوئے ان کی باطنی کیفیات کے مقابلہ پر تحریکی پہلو کو اہمیت دینا۔

ریاست مدینہ کے طرز پر ریاست قائم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور کو بھی مد نظر رکھنا ہو گا۔

مغربی مفکرین اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ نشاۃ ثانیہ یا احیائے اسلام کی تحریکات تین خطوں میں ہی اثر پذیر ہوئیں جن میں ترکی، عرب ممالک اور برصغیر پاک و ہند کو نمایاں حیثیت حاصل ہے کیونکہ باقی عالم اسلام عظمت رفتہ کی دوبارہ بحالی کی خواہش تو ضرور رکھتا ہے لیکن کوشاں نہیں ہے۔ ولفریڈ اسمتھ کے الفاظ میں:

It is perhaps not misleading to epitomize the divergence in discrimination between the concepts ‘renaissance’ and ‘reformation’. Taking these terms as signifying respectively the reviving of an ancient reality that has lapsed, and the modifying of an existing one that has gone wrong, then the former idea applies more aptly to the modern mood of other Muslims, particularly Arabs and Indo-Pakistanis, the latter to the Turks. The others, in their attitude to Islamic society on earth, are thinking of an ancient glory that they wish to recapture.[12]

طریقہ کار کا انتخاب

یہ وہ مشکل سوال ہے جس پر اہلِ علم نے مسلسل اور انتھک کام کیا ہے۔ اس ذیل میں بھی یہ کاوش موجود ہے گذشتہ دو سو سالوں میں مختلف راستے و مناہج اختیار کئے گئے لیکن کامیابی مکمل اور مستقل حاصل نہ ہو سکی۔ ہر ایک منہج اختیار کرنے والے کے پاس

اپنے دلائل موجود ہیں۔ عسکری منہج اختیار کرنے والے سورہ النساء آیت 75 سے دلیل لے کر آتے ہیں:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔[13]

"آخر کیا سبب ہے کہ تم ان مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر قتال نہ کروگے جو کمزور پڑ کر دب گئے ہیں۔ اور پکار رہے ہیں کہ اے ہمارے رب اس جگہ سے ہماری جان چھڑا جہاں کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی نجات دینے والا بھیج۔"

اس آیت سے واضح ہوا کہ ہمیں مدد کرنے کے لیے قتال کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے فلسطین، کشمیر، شام، عراق، بحرین، افغانستان مختلف مقامات پر کام ہورہا ہے۔ اس کا جزوی فائدہ ضرور ہوا ہے لیکن اس مقالہ میں یہ بات بھی سمجھ کر آئے ہیں کہ جب بھی کوئی تحریک ہتھیار اٹھاتی ہے تو حکومت وقت کو چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اس کے خلاف جبر کا راستہ اختیار کرکے اسکو کچل دیا کرتی ہے۔ اس کی مثال ہمیں تحریک شہیدین کی صورت میں نظر آتی ہے جس کو آغاز جہاد ہی میں کچل کر بہت جلد ختم کردیا گیا۔ اخوان المسلمین نے یہی راستہ اختیار کیا تو دنیا نے فلسطین میں ان کی کامیابیوں کے فوری بعد تشدد، جبر اور پابندیوں کے ہتھیار استعمال کرکے اخوان کی تحریک کو کچلنے کی کوشش کی۔ اخوان نے خود کو جلد ہی حالات کے مطابق ڈھال لیا تو مثبت اثرات بھی سامنے آئے اور پھر انہوں نے انتخابی منہج کے مطابق کام کرکے کامیابی بھی حاصل کی۔

اگرچہ اخوان کا منج عسکری نہیں ہے لیکن اس کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ اخوان المسلمین کے نزدیک جہاد ایک مقدس قومی اور دینی فریضہ ہے جس کا سلسلہ تا ابد جاری رہے گا۔ اخوان یہ چاہتے ہیں کہ ایک مسلمان اپنی پوری زندگی اسی فریضہ کی ادائیگی میں گذار دے۔ ان کے لیے یہ حدیث مشعل راہ تھی:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ۔[14]

"جس شخص کو موت آئی اس حال میں کہ اس نے نہ تو جہاد کیا اور نہ ہی اس کی کبھی نیت کی وہ حالت نفاق میں مرا جہاد کے ضمن میں اخوان کسی سے سمجھوتہ کرنے کے قائل نہیں رہے۔ باطل کے خلاف نفرت جہاد کا پہلا درجہ، جبکہ اللہ کے راستہ میں جہاد آخری درجہ ہے۔ ان دونوں کے درمیان زبان، قلم اور ہاتھ کا جہاد ہے۔"[15]

لیکن اس کے باوجود حسن البنا جہاد کے سلسلہ میں کسی قسم کی عجلت پسندی یا جلد بازی کے قائل نہیں تھے ان کے نزدیک جہاد کے لیے مناسب تیاری اور وقت کا انتظار کرنا چاہیے تاکہ منزل تک بہ آسانی پہنچا جاسکے۔ وہ مکمل تیاری کے ساتھ آخری ضرب لگانا چاہتے تھے۔ اسی طرح تحریکات کے قائدین نے ہمیشہ خفیہ کام کرنے سے منع کیا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اخوان طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ انہیں خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحے کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کی

کوشش نا کرنی چاہیئے۔ یہ بھی بے صبری اور جلد بازی کی ہی صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک کے ذریعے ہی برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلایئے۔ بڑے پیمانوں پر اذہان اور افکار کی اصلاح کیجئے "لوگوں کے خیالات بدلیئے" اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے۔ اس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا وہ ایسا پایدار اور مستحکم ہوگا جسے مخالف قوتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کرسکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے کوئی انقلاب رونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا، اسی راستے سے مٹایا بھی جاسکے گا۔"[16]

مولاناؒ اس مقصد کے لیے ڈٹ جانے کی ہی تلقین کرتے ہیں:

"میرا عمر بھر کا مطالعہ مجھے یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں کبھی وہ طاقتیں زندہ نہیں رہ سکی ہیں جنہوں نے قلعہ میں پناہ لینے کی کوشش کی ہے کیونکہ میدان کے مقابلے سے جی چرانا اور قلعوں کے پیچھے چھپنا بزدلی کی کھلی علامت ہے اور خدا نے اپنی یہ زمین بزدلوں کی فرمانروائی کے لئے نہیں بنائی ہے۔ اسی طرح میرا مطالعہ مجھے یہ بھی بتاتا ہے کہ جن لوگوں کا کاروبار جھوٹ اور فریب اور مکر کے بل چلتا ہے اور جن کے لئے حقیقت و صداقت کا روشنی میں آجانا خطرے کا حکم رکھتا ہے اور جن کو اپنی حکمرانی کی حفاظت کے لئے سیفٹی ایکٹ قسم کے قوانین کی ضرورت پیش آتی ہے، ایسے اخلاقی بزدلوں کی چوبی ہنڈیا زیادہ دیر تک چولہے پر نہ کبھی چڑھی رہ سکی ہے اور نہ رہ سکتی ہے۔ یہ چیز عقل کے خلاف ہے، قانون فطرت کے خلاف ہے اور ہزار ہا برس کے تاریخی تجربات اس پر شاہد ہیں کہ ان سہاروں پر جینے والے تھوڑی دیر کے لئے چاہے کتنا ہی زور باندھ لیں بہر حال وہ دیر تک جی نہیں سکتے۔"[17]

اس حوالہ سے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان تمام منتخب تحریکات کے تجزیہ سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ تحریکات کی کامیابی اور ہموار انداز میں پیش رفت کے لیے یہ ضروری ہے کہ سنتِ نبویﷺ کے مطابق طریقہ کار اختیار کیا جائے اور اسلاف سے اپنا رشتہ جوڑا جائے۔ تحریک شہیدین کی ناکامی کی بنیادی وجہ تربیت کی کمی کہی جاسکتی ہے کہ سید احمد شہیدؒ نے ہجرت کے فوری بعد جہاد کا اعلان کیا اور ابھی مقامی آبادی کو تربیت کے مراحل سے نہیں گزارا تھا۔ اولین کامیابیوں کے بعد وہ مالِ غنیمت اور اس طرح کے دیگر معاملات کی وجہ سے اصل مقصد (احیائے اسلام) کو بھول گئے اور تمام محنت اور جدوجہد اسی جانب ہو گئی۔ جبکہ دیگر تحریکات جماعت اسلامی، تحریک خدمت اور اخوان المسلمین کو وہ حصہ جو خروج کی طرف چل پڑا ناکامی سے دوچار ہوئے۔

اس ذیل میں اصل وجہ اسلاف سے اپنا تعلق توڑ دینا ہے۔ سنت نبویﷺ اور اسلاف کی تعلیمات خفیہ تحریکوں اور جدوجہد کی بھی مخالف ہیں اور مسلم حکمرانوں کے خلاف ہتھیار کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح دور نبویﷺ سے ہمیشہ دعوتِ ایمان اور حصولِ ایمان کے ذرائع کو جدوجہد میں بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جب تحریکات نے اس جانب توجہ کم کی تو اولاً کارکنان کا تعلق مع اللہ کمزور ہوا جس کے بعد منزل نظروں سے اوجھل ہونا شروع ہو گئی اور دنیا یا پھر اپنی اجتماعیت کی کامیابی ہی مطمع نظر بن گئی جس کی خاطر کوئی بھی راہ اختیار کرنی پڑے اس کا ہی انتخاب کر لیا جائے۔

لائحہ عمل

اس ضمن میں برصغیر میں دیگر دو شخصیات، سید احمد سرہندیؒ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تحریکات جو منہج محمدی ﷺ پر عمل کر رہی ہیں ان کے افکار اور طریقہ کار کا جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ جس میں سید احمد سرہندی المعروف حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک کی نامساعد حالات میں کامیابیاں ظاہر کرتی ہیں کہ یہی منہج اختیار کیا جائے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایتِ محمدی ﷺ ولایتِ ابراہیمی علیہ صلوٰۃ و سلام کے رنگ میں رنگی جائے اور اس ولایت کا حسن ملاحت اس ولایت کے حسن صباحت کے ساتھ مل جائے۔[18]

انہوں نے انقلاب سلطنت کے بجائے نظریات سلطنت کی تبدیلی کو زیادہ مفید تصور کیا لیکن اس کیلئے بادشاہ کی اصلاح سے پہلے عمال حکومت کی اصلاح اہم تھی چنانچہ انہوں نے طریقہ کار میں مندرجہ ذیل ترتیب اختیار کی غیر سرکاری سنجیدہ طبقہ کی اصلاح، ارکانِ سلطنت کی اصلاح، بادشاہ کی اصلاح، اس ترتیب کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے مکاتیب کے ذریعہ مختلف افراد کو ہدف بنا کر کام کا آغاز کیا اور ان کو آگاہ کیا کہ اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ بادشاہ کو شریعت کی ترویج اور مذہب کو تقویت دینے میں معاون ہوں اس مقصد کے لیے کسی بھی قسم کی امداد دینے میں ہچکچاہٹ سے کام نہ لیں۔ اس مقصد کے لیے کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت کے طریقہ پر شرعی مسائل کو بیان کرنا اور عقائد کلامیہ کو ظاہر کرنا تاکہ کوئی بدعت اور گمراہی بادشاہ کا راستہ سے نہ بہکائے۔[19]

اس کے بعد ارکانِ سلطنت کی اصلاح کا کام اس طرح کیا کہ دربار کے سنی المذہب ارکان کا اپنے حلقہ میں شامل کیا جو بادشاہ کے عمائدین میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد الف ثانیؒ کی عظمت و جلالت اور مودّت و محبت کچھ اس طرح ان قلوب میں ڈال دی کہ آپ نے ایک طرف ان کی خود تعلیم و تربیت فرمائی اور ان کے خیالات کو درست رکھا پھر ان کی زندگی کا نصب العین ان کے سامنے رکھ کر حکومت کی مشینری کو درست خطوط پر چلانے میں ہدایات دیں۔ یہ ایک ٹھوس لیکن خاموش انقلابی کوشش تھی۔

بادشاہ کی اصلاح اس طرح ہوئی کہ آپ کچھ عرصہ معاندین کی سازش کے باعث قید و بند میں بھی رہے لیکن اس کو فائدہ اس طرح ہوا کہ آپ نے قید کے دوران بھی اپنے اخلاق اور کردار سے بادشاہ کی متاثر کیا اور قید سے رہائی کے بعد اس کے ساتھ لشکر میں رہ کر صحبتِ شیخ سے جہانگیر بادشاہ کے باطن کا تزکیہ کر دیا اس کی محفل میں رہ کر اس کو وعظ و نصیحت کی اور اسی رفاقت کے باعث اس کے دل میں ترویج شریعت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس کے دربار سے سجدہ تعظیمی ختم کرایا، خلافِ شریعت قوانین منسوخ کرائے، ذبیحہ گاؤ علی الاعلان جاری کرایا، ویران مساجد آباد کروائیں۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بھی منہج محمدی ﷺ کے چھ مختلف مراحل بیان کیے ہیں۔[20] جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ انقلابی نظریہ (توحید) کی دعوت

۲۔ انقلابی جماعت کی تشکیل و تنظیم

۳۔ انقلابی جماعت کی اخلاقی وروحانی تربیت

۴۔ تشدد کے جواب میں صبر محض

۵۔ اقدام اور چیلنج

۶۔ مسلح تصادم

ان تحریکات کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر بھی ذہن یکسو ہوتا ہے کہ منہج محمدی ﷺ ہی اختیار کیا جائے گا۔ منہج محمدی ﷺ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے چند اُمور پر توجہ کرنی ہوگی تاکہ ایک جانب منہج بھی تبدیلی کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اصل ہدف یعنی رضائے الٰہی بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جس میں تزکیہ وتصفیہ قلب کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگی۔ ماحول کے ساتھ بھی منہج کی تطبیق کی جائے گی اور مختلف خطوں میں مختلف انداز سے جدوجہد کی جائے گی۔ لیکن اس تمام جدوجہد میں تعلق مع اللہ اور کردار سازی کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگی۔ جس طرح حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت کی کہ ایک ہی ملاقات یا چند دن کی صحبت میں ان کے اندر وہ ایمان اور روحانی تصرف پیدا ہوا جس کے ذریعہ انہوں نے لاکھوں لوگوں کی زندگی تبدیل کردی۔

یہی مادہ حب افراد کے دلوں میں پیدا کرنا ہوگا۔ اسلاف سے تعلق مضبوط کرنا ہوگا، تربیت کے لیے ذریعہ قرآن کو بنایا جائے، اخروی نجات کو افراد کے دلوں میں نصب العین بنایا جائے۔ ذمہ داری کا تعین کرتے وقت تحریکی طرزِ عمل کے بجائے باطنی کیفیات کو اہمیت دی جائے تاکہ ذمہ داریاں متقیوں کے سپرد رہیں اور وہ اصل مقصد یعنی رضائے الٰہی کی طرف توجہ رکھیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے افکار سے سرشار کوئی مرد فقیر خانقاہ سے نکل کر پرچم اسلام کو سربلند کردے۔ جیسا کہ اس کا خواب علامہ اقبالؒ نے بھی دیکھا تھا اور کہا:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری — کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

ترے دین وادب سے آرہی ہے بوئے رُہبانی — یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری

لہذا منہج محمدی ﷺ ہی اختیار کیا جائے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگیوں اور اسلاف کے افکار کی روشنی یہ فکر بھی واضح ہوئی کہ نظام عدل کا قیام لازم بھی ہے اور ہر فرد کے کرنے کا کام بھی یہی ہے کہ جب تک یہ نظام کو موجود نہ ہو اسی کے لیے توانائیاں خرچ کی جائیں۔ دنیا کے ہر خطہ میں کام الگ الگ ہوگا لیکن اس کو یکجا بھی کیا جاسکتا ہے اس کی مثالیں دورِ خلافت راشدہ سے ملتی ہیں۔ اس تمام جدوجہد کے لیے منہج محمدی ﷺ ہی اختیار کیا جائے گا جس میں تزکیہ وتصفیہ قلب کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگی۔ ماحول کے ساتھ بھی منہج کی تطبیق کی جائے گی اور مختلف خطوں میں مختلف انداز سے جدوجہد کی جائے گی۔ لیکن اس تمام جدوجہد میں تعلق مع اللہ اور کردار سازی کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگی۔

حوالہ جات

[1](مسند احمد بن حنبل:18430)الصحیح الالبانی:5

[2](صحیح مسلم:2761)

[3]استنبول سے رباط تک، عمران این حسین، مترجم: محمد سردار اعوان، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، 2006، صفحہ 15

[4]استنبول سے رباط تک، عمران این حسین، مترجم: محمد سردار اعوان، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، 2006، صفحہ 48

[5] تقویتہ الایمان، شاہ اسمعیل شہیدؒ، کراچی، دار الاشاعت، صفحہ 13

[6]تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ ششم، سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1977

[7]ماہنامہ ترجمان القرآن، دینی معاشرت کی پکار از فرزانہ چیمہ، مئی 2004، ادارہ ترجمان القرآن، صفحہ 533

[8]القرآن، سورۃالتوبہ، 111

[9]جماعت اسلامی کا نصب العین، دعوت اور طریق کار، شعبہ تنظیم، مکتبہ منصورہ لاہور، 1984، صفحہ 2

[10]صحیح مسلم

[11] اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے معمار، علی رہنما، سید ولی رضا، لاہور، تخلیقات 29 ٹیمپل روڈ لاہور، 1999، صفحہ 140

[12] Islam in Modern History, Wilfred Cantwell Smith, The New York American Library, New York, 1959, Page 175

[13]القرآن، سورۃالنساء، 75

[14]صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 434

[15] افتخار احمد، اخوان المسلمون، فیصل آباد، المیزان پبلیکیشنز، 1990، صفحہ 217

[16] ماہنامہ ترجمان القرآن، پروفیسر خورشید احمد، اگست 2011، ادارہ ترجمان القرآن، صفحہ 279

[17] دعوت وعزیمت کے روشن ستارے، آباد شاہ پوری، لاہور، البدر پبلیکشنز، 2011، صفحہ 287

[18]حضرت مجدد الف ثانیؒ، مولانا سید زوار حسین شاہ، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، ناظم اباد، کراچی، دسمبر 2012، صفحہ 417

[19]حضرت مجدد الف ثانیؒ، مولانا سید زوار حسین شاہ، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، ناظم اباد، کراچی، دسمبر 2012، صفحہ 419

[20]منہج انقلاب نبوی ﷺ، ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، جولائی 2006، صفحہ 14